خلافت کے بعد مجلس شوریٰ جماعت میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے آباؤ اجداد کے ذکر کو زندہ رکھیں، صوبہ سرحد کے بزرگوں کا ذکر۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ راپریل ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝٦٠ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝٦١ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝٦٢ (مریم: ۶۰ تا ۶۲)

پھر فرمایا:۔

آج خدا کے فضل کے ساتھ دنیا کی بعض جماعتوں میں یا اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں یا مجالسِ شوریٰ اور ایک مجلسِ شوریٰ کل بھی ہوگی۔ اس سلسلہ میں مجھے متعلقہ جماعتوں کی طرف سے خصوصیت سے یہ پیغام ملا ہے کہ اگر آج کے جمعہ میں ہمارا ذکر کرتے ہوئے کچھ نصائح ہو جائیں تو ہم ممنون ہوں گے۔ ان میں سے ایک تو صوبہ سرحد ہے جس کا سب سے پہلے پیغام ملا تھا پھر یوگنڈا

ہے۔ ان دونوں جگہوں میں جلسہ سالانہ منعقد ہو رہا ہے، صوبہ سرحد کی جماعتوں کا تو چوتھا جلسہ سالانہ ہے اور یوگنڈا میں بھی جلسہ سالانہ ہے۔ جماعت جرمنی میں مجلس شوریٰ ہو رہی ہے اور مجلس اطفال الاحمدیہ ضلع اٹک کا سالانہ تربیتی اجتماع ہو رہا ہے۔ کل سے جماعت سپین کی مجلس شوریٰ پیدرو آباد میں شروع ہوگی۔ تو دو حصے ہیں ایک اجتماعات کا اور ایک شوریٰ کا۔ سب سے پہلے میں اجتماعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض نصیحتیں اُن احباب اور خواتین اور بچوں کو کرنی چاہتا ہوں جو ان اجتماعات پر جمع ہوئے ہیں اور اسی حوالے سے دنیا بھر کی جماعتوں کو بھی وہی نصیحتیں ہیں اور اس کے بعد انشاء اللہ مجلس شوریٰ سے متعلق چند اہم بنیادی امور پیش کروں گا۔

جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان کا تعلق تربیت سے ہے اور تربیت کے ایک ایسے حصہ سے ہے جس کا قوموں کی زندگی اور بقا سے تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ وہ نیک لوگ تھے جنہوں نے اپنے پیچھے بعض ایسی اولادیں چھوڑیں۔ جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ اور شہوات کی اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے۔ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا پس وہ عنقریب ضرور اس کا بدنتیجہ غَيًّا کی صورت میں دیکھیں گے۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو نیک لوگوں کی اولاد ہوئے اور پھر خود بھی توبہ کی یعنی از سرنو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو تازہ کیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور نیک اعمال کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا یہ لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور ان کے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی یعنی اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ۔ یہ ہمیشگی کی جنتیں ہیں ان جنتوں کا وعدہ رحمٰن خدا نے غیب سے اپنے بندوں سے فرمایا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا۔ اور یقیناً اللہ کا وعدہ ضرور لایا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب خدا ایک وعدہ کر لیتا ہے تو جس سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ اس معاملہ میں بے اختیار اور بے بس ہو جاتا ہے اور خدا نے ضرور وعدہ پورا کر کے اس کے سامنے حاضر کر دینا ہے۔ پس یہ جنتیں ایسی ہیں گویا زبردستی ان میں داخل کیا جائے گا۔ یعنی خواہش تو ہر انسان کی ہوگی لیکن خواہش کرنے والے سے زیادہ اللہ کو ان کو جنتوں میں داخل کرنے کا شوق ہوگا۔ یہ مضمون ہے جو مَاۡتِيًّا کے ذریعہ

بیان فرما دیا گیا یعنی میزبان کو مہمان سے بڑھ کر مہمان کی عزت افزائی کا شوق ہے اور تمنا ہے اور وہ ضرور اس تمنا کو پورا کر کے رہے گا۔

اس سلسلہ میں لفظ غَیًّا خاص توجہ کا محتاج ہے اس لئے میں نے وہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ یہ ذکر کیا کہ ایسے لوگ جو نیک لوگوں کی اولا دہوں مگر نمازوں کو ضائع کر دیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی شروع کر دیں وہ ضرور بالآخر غَیًّا تک پہنچتے ہیں۔ غَیًّا کا ایک ترجمہ ''الضّلال'' ہے یعنی گمراہی گویا ان کا گمراہی کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے پھر ہے''الخیب''وہ ضرور نا کامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ پھر اس کا ترجمہ ہے **الانہماک فی الجھل** بےوقوفی اور جہالت میں وہ اپنا وجود کھو دیتے ہیں یعنی کامل طور پر بےوقوفی اور جہالت کے ہو رہتے ہیں، جہالتوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔ پھر ہے **الھلاک** اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پس وہ قومیں جن کا آغاز مذہبی ہوا اور جن کا آغاز اللہ کے حضور تقویٰ کے ساتھ شروع ہوا ہو۔ ان لوگوں کی اولادیں اگر نماز سے ہٹ جائیں اور نفسانی خواہشات کی پیروی شروع کر دیں تو یہ وہ انجام ہیں، جن تک وہ ضرور پہنچیں گے۔

اس دور میں یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہم نے جماعتوں کے حالات کا جہاں تک مطالعہ کیا ہے اور غور کیا ہے۔ یہ آیت ہر پہلو سے بلا شبہ صادق آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نیک لوگ جو خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ خود ایمان لاتے ہیں اور سچائی کو قبول کرتے ہیں وہ شاذ و نادر کے طور پر ضائع ہوتے ہیں ورنہ ان کی بھاری اکثریت کامل وفا کے ساتھ آخر تک اس پیغام کے ساتھ چمٹی رہتی ہیں اور وہ ہر لحہ نیکیوں اور تقویٰ میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں ان کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں، کبھی آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ انبیاء کی جماعتیں خود ضائع ہو گئی ہوں۔ ہاں جب انبیاء کی جماعتیں گزر جاتی ہیں اور ان کی جگہ نئی نسلیں آجاتی ہیں تو وہاں سے خطرات شروع ہوتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے یہاں قومی بقا کا فلسفہ بیان فرمایا ہے اور ان خطروں سے متنبہ کیا ہے جن کے نتیجہ میں قومیں بالآخر تنزل، جہالت، گمراہی اور جہل اور ہلاکت کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔

پس وہ تمام جماعتیں جو آج ان اجتماعات میں تربیت کی غرض سے حاضر ہو رہی ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور وہ تمام جماعتیں بھی جو اس خطبہ کو سن رہی ہیں، ان کو میں خصوصیت کے ساتھ

اس آیت کے مضمون کی طرف متوجہ کرتا ہوں، ہمیں یعنی اس صدی کے سر پر کھڑے ہوئے لوگوں کو ایک نئے زمانے کے چیلنج کا سامنا ہے۔ ہم ایسے جوڑ پر کھڑے ہیں جہاں ایک نسل ہی نہیں بلکہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل بھی تقریباً گزر چکی ہے۔ صحابہؓ کا زمانہ ختم ہوا اور شاذ کے طور پر برکت کے لئے دیکھنے کو ملتے ہیں اور وہ کبار تابعین جو صحابہؓ کے تربیت یافتہ تھے وہ بھی اکثر گزر چکے ہیں اور تابعین کا وہ گروہ باقی ہے جو چھوٹی عمر کا تھا اور ابھی اللہ کے فضل سے تابعین کا ایک طبقہ دنیا کی تمام جماعتوں میں نہیں تو بہت سی جماعتوں میں پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ان سے بڑی توقع اور امید ہے کہ انشاء اللہ وہ نیکی کی اعلیٰ روایات کو اگلی نسلوں میں جاری کریں گے۔ یہ وہ خطرناک جوڑ ہے جو دو صدیوں کا بھی جوڑ ہے اور نسلاً بعد نسلٍ تیسرا جوڑ بنتا ہے اور اس جوڑ کی اگر ہم نے حفاظت کی اور ان آیات کے مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اپنی آئندہ نسلوں کے نگران ہوئے تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔

صلوٰۃ کی حفاظت کے متعلق بھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ آئندہ بھی انشاء اللہ اس مضمون پر روشنی ڈالوں گا۔ شہوات کے مضمون کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ آئندہ انشاء اللہ تربیتی خطبات دوں گا۔ آج محض یہ ذکر ہی کافی ہے کہ یہ دو خطرات کے نشان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ہمارے سامنے کھول کر بیان فرما دیا ہے اور تنبیہ کر دی، اب آگے ہم پر ہے کہ ہم چاہیں تو تنبیہ کو نظر انداز کر کے اپنے لئے ہلاکت کی راہ اختیار کر لیں خواہ اس تنبیہ سے فائدہ اٹھائیں اور راہ راست پر قائم رہیں۔ اس ضمن میں بہت سی ایسی نصیحتیں کی جاسکتی ہیں جن کے پیش نظر جماعتیں اپنی نسلوں کی حفاظت کرتی ہیں اور سارا قرآن کریم اس مضمون سے بھرا پڑا ہے لیکن میں نے آج خصوصیت کے ساتھ ایک آیت کو چنا ہے تا کہ اس مضمون کو کچھ آگے بڑھاتے ہوئے اس آیت کی روشنی میں آپ کو نصیحت کروں کہ کیسے نئی نسلوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم نے جو بہت سے ذرائع بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک ذریعہ ذکر کا ہے۔ **وہ لوگ جو اپنے آباؤ اجداد کا ذکر زندہ رکھتے ہیں ان کے آباؤ اجداد کی عظیم خوبیاں نسلاً بعد نسلٍ قوموں میں زندہ رہتی ہیں اور لوگ جو اللہ کا ذکر زندہ رکھتے ہیں صفاتِ الٰہیہ قوموں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اور** تربیت کی جان صفات الٰہیہ ہے۔ پس اس پہلو سے اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کی ویسی ہی تربیت کرنا

چاہتے ہیں جیسی پہلی نسلوں کی ہم نے دیکھی اور پہلی نسلوں نے ہماری کرنے کی کوشش کی، تو ایک مرکزی نصیحت کا نکتہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اس کو پلے باندھ لیں اور اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا (البقرہ:۲۰۱) کہ جب تم مناسک حج سے فارغ ہو جایا کرو تو فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ پھر تم اللہ کا ویسے ہی ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے اٰبَآءَ کا کرتے ہو اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر ذکر۔

حج کے وقت یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انسان خدا کی گود میں ہے اور ہر طرف سے نیکیوں نے اس کو گھیرا ہوتا ہے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد پھر دنیا میں واپس لوٹتا ہے اور اس وقت خطرات درپیش ہوتے ہیں، ان خطرات سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ ذکر الٰہی پر زور دو اسی طرح ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو۔ جب ایک نسل جو صحابہ کی نسل ہے وہ گزر جاتی ہے تو اگلی نسل میں ایک قسم کا ویسا ہی ماحول پیدا ہوتا ہے جیسے حج سے باہر آ گئے ہوں، جیسے دوبارہ زمانے کے خطرات کے سامنے ان نسلوں کو پیش کر دیا گیا ہو۔ اس وقت بھی یہی مضمون کارفرما ہوگا اور حفاظت کا یہی ایک طریق ہے جو کارآمد ثابت ہوسکتا ہے کہ ذکر میں پناہ لو۔

ذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ کا مضمون سمجھنے کے لائق ہے۔ دنیا میں جتنی قومیں ہیں وہ اپنی اعلیٰ روایات کی حفاظت اپنے قومی ہیروز اور بزرگوں کا ذکر کر کے کیا کرتی ہیں۔ اگر قوموں کی تاریخ سے ان کے آباء کا ذکر مٹا دیا جائے اور فراموش کر دیا جائے تو وہ قومیں اپنی تمام روایات کو بھول کر اُن رستوں کو کھو دیں گی جن روایات پر چلتے ہوئے ان کے آباء نے بعض رستوں پر قدم مارے تھے اور ترقیات ان کو نصیب ہوئی تھیں۔ پس ذکر کا مضمون آئندہ نسل کی تربیت کے ساتھ ایک بہت گہرا تعلق رکھتا ہے یہاں جو ذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ فرمایا گیا ہے۔ اس میں مثال تو دنیا کے ذکر کی دی ہے لیکن مذہبی تعلق میں نصیحت ہے اس لئے ہمیں ذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ کی وہ تشریح کرنی ہوگی جو قرآنی آیات کے مطابق ہے اگر دنیا کی قوموں سے کہا جائے کہ تم اس طرح ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو تو اُن کے ذہن میں مختلف قومی ہیرو ابھریں گے مگر جب مذہبی دنیا میں گفتگو ہو تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہو اور آپؐ کے غلاموں کو مخاطب فرمایا گیا ہو تو

ذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کا مضمون ایک اور رنگ اختیار کر جاتا ہے یہ ذکر ہمیں قرآن کریم میں ملتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے آباء کا ذکر ملتا ہے، ابراہیمؑ کا ذکر ملتا ہے، نوحؑ کا ذکر ملتا ہے۔ آدمؑ کا ذکر ملتا ہے اور ابراہیم کے بعد نسلاً بعد نسلٍ اُن اولادوں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اپنے آباء کے ذکر کی حفاظت کی تھی پس یہ ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے جیسے دو چیزیں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر یک جان ہو جائیں اور ایک کا دوسرے سے فرق نہ رہے تو اپنے بزرگ آباء کے حوالے سے اپنی اعلیٰ روایات کو زندہ رکھو اور ذکر الٰہی میں اور بھی زیادہ شدت اختیار کر جاؤ۔

چنانچہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا نصیحت کا یہی طریق تھا۔ بزرگوں کے حوالے سے، نیک لوگوں کے حوالے سے نصیحت فرمایا کرتے تھے اور بزرگ آباء کے ذکر کو تفاخر میں شمار نہیں فرماتے تھے بلکہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب آپؐ کی دو ازواج مطہرات میں کچھ اختلاف ہوا اور ایک نے دوسری کو طعنہ دیا کہ تم تو یہودن ہو، یہودی نسل سے ہو۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے حضور جب شکایت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔ تم کیوں غم کرتی ہو تمہیں یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ میرا خاوند بھی خدا کا رسول ہے اور میرے باپ دادے بھی خدا کے رسول تھے، (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر: ۳۸۲۹) تم مجھے کیا طعنہ دیتی ہو۔ یہ ذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کی ایک مثال ہے یعنی بزرگوں کا ذکر جن کا تعلق خدا سے باندھا گیا ہو۔ تفاخر میں داخل نہیں ہے اور مومنوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ ایسا ہی ذکر کیا کریں اور وہ ذکر خود بخود خدا کی طرف لے جاتا ہے۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ذکر کے انداز میں آپ کو بڑے بڑے نامور عرب لوگوں کا کہیں کوئی ذکر دکھائی نہیں دے گا، کہیں کوئی ذکر نہیں ملے گا۔ وہ بڑے بڑے عرب راہنما اور ہیرو اور بڑے بڑے سردار جن کے ذکر سے عربی شاعری اَٹی پڑی ہے ان کا کوئی ذکر آپ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے آپ کو نہیں ملتا۔ اُن آباء کا ذکر ملتا ہے جن کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے جن کا خدا سے تعلق تھا اور وہ ذکر لازماً اللہ کے ذکر کی طرف لے جاتا ہے اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا بن جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب خدا تعالیٰ کے ذکر پر خطاب فرمایا کرتے تھے تو بعض دفعہ اتنا جوش پیدا ہو جاتا تھا کہ ایک موقع پر جبکہ خدا تعالیٰ کی صفات جلال و جمال کا ذکر فرما رہے تھے تو منبر کانپنے لگا جس پر آپؐ کھڑے تھے اور روایت کرنے والے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ڈر تھا کہ یہ منبر

اس جوش کے ساتھ ٹوٹ جائے گا لرزتے لرزتے یہ منبر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑے گا اور ہمیں ڈر تھا کہ آنحضور ﷺ کو گر کر چوٹ نہ آ جائے۔ (مسند احمد حدیث نمبر: ۵۳۵۱)

تو یہ اَشَدَّ ذِکْرًا کا مضمون ہے جو حدیث سے ہمیں سمجھ آتا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی سیرت سے سمجھ آتا ہے کہ جب خدا کا ذکر آئے تو وہ ساری روح پر قبضہ کر لے اور انسان کے وجود میں ایک غیر معمولی شان اور جلال پیدا ہو جائے۔ اس کا وجود خدا کے ذکر سے لرزنے لگے اور ماحول کو لرزہ براندام کرے۔ ایسی ریڈیائی لہریں پھیلا دے کہ جن تک وہ لہریں پہنچیں وہ بھی ان سے غیر معمولی طور پر متأثر ہو کر اسی ذکر کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں۔ یہ ہے جو اَشَدَّ ذِکْرًا کا مضمون ہے۔

اس کا جماعت احمدیہ کی موجودہ نسلوں کی تربیت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے ایسے بزرگ آباؤ اجداد جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یا آپؑ کے بعد خلافت اولیٰ یا خلافت ثانیہ میں بیعتیں کی تھیں اور غیر معمولی دینی ترقیات حاصل کیں، غیر معمولی قربانیاں دیں اور ان کا ذکر اگلی نسلیں بھول رہی ہیں اور ان کے ماں باپ بھی اس ذکر کو زندہ نہیں رکھتے نتیجۃً وہ کتابوں کے پھول بنتے جا رہے ہیں اور کتابیں بھی ایسی جن کو کم لوگ پڑھتے ہیں۔ پس یہ انداز جو ہے زندہ رہنے کا انداز نہیں ہے قرآن کریم نے ہمیں زندگی کا جو راز سمجھایا ہے اس کی رو سے آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے ذکر کو لازماً زندہ رکھنا ہوگا۔ چنانچہ گزشتہ چند سالوں میں میں نے جماعتوں کو بار بار نصیحت کی کہ وہ سارے خاندان جن کے آباؤ اجداد میں صحابہ یا بزرگ تابعین تھے، اُن کو چاہئے کہ وہ اپنے خاندان کا ذکر خیر اپنی آئندہ نسلوں میں جاری کریں مگر افسوس ہے کہ ابھی تک کما حقہ توجہ نہیں دی گئی۔ مجھ سے جو خاندان ملنے آتے ہیں۔ ان بچوں سے جب میں پیار کی باتیں کرتا ہوں تو بسا اوقات یہ بھی پوچھا کرتا ہوں کہ تمہارے دادا کا نام کیا ہے؟ تمہارے نانا کا نام کیا ہے؟ پس وہ ابو امی یا ممی ڈیڈی تک ہی رہتے ہیں اور آگے نہیں چلتے۔ یہ بہت ہی خطرناک بات ہے۔ ماں باپ بھی سنتے ہیں تو اُن کے چہرے پر ہوائیاں نہیں اُڑتیں بلکہ ہنس پڑتے ہیں کہ دیکھو جی اس کو تو اپنے نانا کا نام نہیں پتا، اپنے دادا کا نام نہیں پتا۔ یہ کوئی لطیفہ تو نہیں۔ یہ تو المیہ ہے یہ تو بہت ہی دردناک بات ہے ان کو تو یہ بات دیکھ کر لرز جانا چاہئے تھا کہ جن کے ذکر کو زندہ رکھنا حقیقت میں ضروری ہے جو آئندہ اُن کے اخلاق کی حفاظت کرے گا ان کے ذکر سے تو یہ لوگ غافل ہیں ان کو پتا

ہی نہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کون تھے، کیا ہوئے۔ انہوں نے دین کی خاطر کیا کیا قربانیاں کیں؟ پس پہلے کَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کے مضمون سے بات شروع کریں اور ان نیک لوگوں کے ذکر کو اپنی اپنی مجالس میں زندہ کریں۔ اپنی اپنی قوموں میں اُن کے ذکر کو زندہ کریں اور پھر ہر خاندان میں اس ذکر کو زندہ کریں۔ پھر جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے یہ ذکر لازماً ذکر الٰہی میں تبدیل ہوگا کیونکہ ان کے ذکر کی تو جان ہی اللہ کے تعلق میں ہے۔ یہ وہ پاک نسلیں ہیں جو خدا کی ہو چکی تھیں ان کا خدا کے ساتھ کوئی تشخص دکھائی نہیں دیتا۔

اب حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کی بات کریں تو ان کے آباؤ اجداد، خاندان، قومیت کا کسی قسم کا کوئی تصور ذہن میں نہیں آتا۔ ایک ایسا پاک آسمانی شہزادہ دکھائی دیتا ہے جو کلیۃً خدا کا ہو چکا تھا اور اُس نے اپنے خون کے ایک ایک قطرہ سے اپنی وفا ثابت کی ہے۔ اس کو ذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کہتے ہیں یعنی مذہبی اصطلاح میں آباء کا ذکر کرنا اور یہ ذکر تو خدا پر ختم ہوتا ہے اور خدا کے علاوہ اس ذکر کی حقیقت کوئی نہیں رہتی، ذکر بنتا ہی نہیں۔ ان بزرگوں کا ذکر کر کے ناممکن ہے کہ خدا یاد نہ آئے۔

پس ان معنوں میں آپ اپنی اگلی نسلوں کی تربیت کریں مجھے پتا ہے کہ تربیت کے لئے بہت سی تقریریں ہوں گی، مضامین لکھے جائیں گے، نصیحتیں ہوں گی مگر ایسی تقریریں اور ایسی نصیحتیں جو علمی لحاظ سے کوشش کر کے تیار کی گئی ہوں اگر ان میں دل نہ ہو تو بے اثر ہوتی ہیں، کوئی اثر پیدا نہیں کرتیں۔ تقریر میں اثر پیدا کرنے کے لئے ایک لگن چاہئے جس میں ایک انسان کا سارا وجود اس مضمون میں شامل ہو جائے جو وہ پیش کر رہا ہے اس کے بغیر زبان میں اثر پیدا نہیں ہو سکتا اور یہ وہ ذکر ہے جو میں بتا رہا ہوں کہ اس ذکر کے ساتھ کوئی زبان بھی اثر کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔ کسی لمبی چوڑی تیاری اور محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف تاریخ کے اپنے ان اوراق کو کھولیں اور دیکھیں تو سہی کہ پہلے لوگ کیسے تھے اور کیا تھے؟ کن کن خاندانوں کے بزرگ کن کن قربانیوں کے بعد احمدیت میں داخل ہوئے اور احمدیت میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے کیا کیا قربانیاں دیں، کس طرح وفا کے اعلیٰ نمونے دکھائے، کس طرح آخری سانس تک وہ خدا کے ہو رہے اور خدا ہی کی خاطر وہ جیئے اور خدا ہی کی خاطر مرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ذکر کو زندہ کرنا ضروری ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا

ہے جو بے وفائی نہیں کیا کرتے۔ شاذ کے طور پر بہت ہی کم ارتداد کے کچھ نمونے ان نسلوں میں ملتے ہیں اور وہ بھی اس وجہ سے کہ ان کے اندر دین داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ دنیا کی خاطر یا کسی اور دھوکے میں آکر وہ دین میں داخل ہوئے، خالی آئے اور خالی واپس چلے گئے لیکن بہت کم مثالیں ہیں۔ بھاری مثالیں وہ ہیں جو آخر وقت تک باوفا رہے اور ثابت قدم رہے لیکن آگے نسلوں میں آپ کو وہ بات یاد دکھائی نہیں دیتی یا بعض نسلیں دین سے سرک کر دور ہٹ چکی ہیں اور کوئی رابطہ نہیں رہا۔

پس آج ضرورت ہے کہ ان کو کھینچ کر واپس لایا جائے اور ان کو خدا کی طرف واپس لانے کے لئے بہترین طریق اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھا دیا ہے ان سے خالی خدا کی بات کر کے دیکھیں ان میں کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ کئی ایسے لوگ ہیں جن سے میرا رابطہ ہو چکا ہے یعنی صوبہ سرحد کے دورے کرتا رہا ہوں، بنگلہ دیش کے دورے کرتا رہا ہوں اور سیالکوٹ وغیرہ کی ایسی کئی دیہاتی جماعتیں ہیں وہاں دوروں پر میں نے رابطہ کر کے دیکھا ہے کہ جو خشک سے ہو چکے ہوں، جن کے دل بجھ چکے ہوں، جن میں ولولہ باقی نہ رہا ہو۔ ان سے براہ راست خدا کے متعلق باتیں کریں، نصیحت کریں کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اگر ان کو یہ بتائیں کہ تمہارا باپ فلاں تھا اور یہ یہ کیا کیا کرتا تھا۔ تمہارے باپ نے احمدیت کے لئے یہ قربانیاں دیں تو ان کی آنکھوں میں ایک شمع سی جلنے لگتی ہے، اچانک ایک جان پیدا ہو جاتی ہے، انہماک پیدا ہو جاتا ہے اور اس ذکر کے ساتھ پھر اللہ کے ذکر کی طرف ان کو منتقل کریں تو وہ بڑے شوق اور ذوق کے ساتھ آپ کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے ان مردہ دلوں کو زندہ کرنے کا ایک راز ہمیں سکھا دیا ہے۔ صوبہ سرحد میں خصوصیت کے ساتھ ایسی بہت سی نسلیں پھیلی پڑی ہیں اور پنجاب میں اور بنگال میں اور اس طرح بعض دوسرے ممالک میں بھی موجود ہیں مثلاً یوگنڈا ہے جس میں آج اجتماع ہو رہا ہے وہاں بڑے بڑے، دین کے لئے عظیم الشان قربانی کرنے والے، خدمت دین میں منہمک رہ کر زندگی گزارنے والے وجود تھے اور ان کی تاریخ سے یوگنڈا کی تاریخ روشن ہے لیکن آگے اولادیں یا ٹھنڈی پڑ گئیں یا کسی وجہ سے پیچھے ہٹ گئیں اور بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے جماعت سے تعلق کلیۃً توڑ لیا، بعض ایسے ہیں جو ایسا تعلق رکھ رہے ہیں جو گویا نہ ہونے کے برابر ہے لیکن جب بھی ان سے رابطہ ہوا ہے اُن کے آباؤاجداد کے ذکر سے ان کو واپس آنے کی نصیحت کی ہے تو خدا کے فضل سے نیک اثر پیدا ہوا

ہے یوگنڈا کے دورہ کے وقت بھی، کینیڈا کے دورہ کے وقت بھی ایسے خاندان مجھے ملے کہ جب ان کے آباء کا ذکر کیا گیا تو ایک دم آنکھیں چمک اُٹھیں اور ایک ذاتی تعلق پیدا ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور پھر احمدیت کے ساتھ تعلق ساتھ ساتھ قائم ہوتا چلا گیا تو یہ ایک گُر ہے جو قرآن نے ہمیں سکھایا ہے اسے استعمال کریں پھر دیکھیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی آئندہ نسلوں کی اعلیٰ اقدار کی حفاظت ہوگی اور وہ اقدار جو مٹ چکی ہیں انہیں ازسرنو زندہ کیا جاسکے گا۔

مثال کے طور پر میں نے صوبہ سرحد کے بعض بزرگوں کے نام پیش نظر رکھے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دفعہ صوبہ سرحد کے بزرگوں کا خصوصیت سے ذکر فرمایا اور یہ بیان کیا کہ ان کے علم کے مطابق کوئی اور ایسا صوبہ، کوئی اور ایسا ملک نہیں جس میں صوبہ سرحد کی طرح بڑے لوگوں نے احمدیت کی طرف توجہ کی ہو اور جس کثرت کے ساتھ صوبہ سرحد میں بڑے بڑے لوگوں نے احمدیت کی طرف توجہ کی ہے اور خدمت دین میں اعلیٰ نمونے قائم کیے ہیں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اور مثال دکھائی نہیں دیتی۔ اس مضمون کو پکڑتے ہوئے میں آج بعض مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں تاکہ خصوصیت سے صوبہ سرحد جہاں یہ اجتماع ہو رہا ہے ان کو اپنے آباء کا ذکر سن کو خوشی ہو اور طبیعت میں ولولہ پیدا ہو اور وہ اپنی آئندہ نسلوں کو بتائیں کہ ہم کون تھے اور ہماری زندگی کا پانی کن پاک چشموں سے پھوٹا تھا جو رفتہ رفتہ اب دریا بنتا چلا جا رہا ہے۔ بعض چھوٹے چھوٹے خاندان پھیلتے پھیلتے اب اس طرح پھیل چکے ہیں کہ سب دنیا میں پھیل چکے ہیں اور مستحکم ہو چکے ہیں۔ تو اس رنگ میں اس ذکرِ خیر سے میں امید رکھتا ہو کہ ان کے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہوگی اور آج میں نے یہ جو گاؤن پہنا ہوا ہے یہ بھی خصوصیت سے اس وجہ سے پہنا ہے کہ یہ صوبہ سرحد کا گاؤن ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کو سرحد کی تاریخ یاد کراتے ہوئے گاؤن بھی وہ پہنوں جو ان کو دکھائی دے کہ یہ ہمارے ملک کا ہے اور زیادہ اپنائیت محسوس ہو۔

اب میں حضرت مصلح موعودؓ کا یہ اقتباس آپ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں آپؓ فرماتے ہیں۔

> ”اس صوبہ میں (یعنی صوبہ سرحد میں) بڑے بڑے خاندانوں کے لوگ احمدی ہوئے ہیں۔ پنجاب کے احمدیوں میں اس قسم کا اثر ورسوخ رکھنے والے ہزار میں سے ایک بھی نہیں (یہ دیکھیں، کتنا فرقِ نمایاں آپؓ نے دکھایا)

لیکن صوبہ سرحد میں ہر سو احمدیوں میں سے ایک دو ایسے ہیں جو چوٹی کے خاندانوں میں سے ہیں۔‘‘

پنجاب میں تو کوئی ایک دو ہو گئے جیسے نواب محمد علی خان صاحب رئیس یا ملک عمر علی صاحب ہیں مگر صوبہ سرحد میں خاندانی وجاہت اور اثر ورسوخ رکھنے والے کئی ہیں۔ مثلاً صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب کے بھائی بہت بڑے خاندان میں سے ہیں (مراد حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب سے ہے جو صاحبزادہ عبدالحمید صاحب، صاحبزادہ عبدالسلام صاحب، صاحبزادہ عبدالرشید صاحب کے اوران کے بہنوں بھائیوں کے والد تھے اور صوبہ سرحد کا بہت ہی معزز خاندان تھا اوران کے نیک اثرات بڑی مدت تک سارے علاقے پر قائم رہے اور اس خاندان کی عزتیں رہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ پھر کیوں اور کیا ادبار آیا کہ بظاہر بچے مخلص بھی ہیں لیکن پھر بھی وہ اثر ورسوخ باقی نہیں رہا کوئی اندرونی کمزوری ایسی ہو گئی جس کے نتیجہ میں یہ رسوخ مٹ گئے ورنہ اللہ تعالیٰ نیک اثرات کو مٹنے نہیں دیا کرتا جب تک انسان کے اندر کوئی خامیاں نہ پیدا ہو جائیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوا لیکن ان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے بزرگ نیک آباء کی اعلیٰ رسموں کو مضبوطی سے دوبارہ اختیار کریں اور زندہ کریں اور پھر دیکھیں کہ دنیوی اثر خود بخود غلاموں کی طرح پیچھے چلا آئے گا۔ دنیاوی اثر کی خاطر نہیں کرنا بلکہ قرآنی بیان کے مطابق اُن آباء کے ذکر کو زندہ کرنا ہے جن کا ذکر قرآن زندہ فرماتا ہے وہ ذکر زندہ کرنا ہے جو ذکر الٰہی کی طرف لے جاتا ہے اور پھر اَشَدَّ ذِكْرًا بن کر خدا کی یاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔ دنیا کے اثرات اور دنیا کے رسوخ تو پھر غلاموں اور لونڈیوں کی طرح پیچھے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے تو آنا ہی ہے۔‘‘

پھر فرماتے ہیں کہ

’’۔۔۔ اسی طرح دلاور خان صاحب ہیں، محمد اکرم صاحب ہیں، محمد اکبر صاحب ہیں، احیاء الدین صاحب ہیں (یہاں جنرل احیاء الدین مراد ہیں)، محمد علی خان صاحب ہیں، ملک عادل شاہ صاحب ہیں، امیر اللہ خان صاحب ہیں، عبدالحمید صاحب والے ہیں۔ گویا چند سو احمدیوں میں سے ایک درجن کے قریب ایسے احمدی ہیں جو بھاری اثر و رسوخ رکھنے والے

خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں اس نسبت کے لحاظ سے باقی ہندوستان میں با اثر خاندانوں میں سے کم احمدی ہوئے ہیں۔'' (الفضل قادیان ۹ /دسمبر ۱۹۴۴ء)

احمدیت کی صوبہ سرحد میں تاریخ، جماعت احمدیہ کے آغاز کے ساتھ اکٹھی شروع ہوتی ہے پہلے صحابی جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر ۱۸۸۹ء میں بیعت کی اور لدھیانہ کی بیعت میں شامل ہوئے ان کا نام حضرت مولوی ابوالخیر عبداللہ صاحب تنگے براہ تھا۔ یہ تنگے براہ جگہ کا نام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نہ صرف بیعت لی بلکہ ان کو آگے بیعت لینے کی اجازت دی اور اپنا نمائندہ مقرر فرمایا کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ میری نمائندگی میں میری بیعت لوگوں سے لیا کرو۔ ان کے آگے کوئی اولاد نہیں تھی اور اس میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے روحانی اولاد کثرت سے عطا فرمادی اور جسمانی اولاد کی کمی اس طرح پوری ہوگئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کی روحانی اولاد کے درمیان ایک واسطہ بن گئے۔ دیگر صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خان بہادر قاضی عبدالقادر خان صاحب پشاور شہر کا ذکر بھی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے ۲۵ /اگست ۱۸۸۹ء میں بیعت کی۔ بیعت لدھیانہ میں تو شامل نہیں ہوئے لیکن اسی سال بیعت کر لی۔ قاضی محمد حسن صاحب ''خان العلماء'' جو پشاور شہر کے رئیس تھے اور وزیر افغانستان رہے ہیں ان کے یہ پوتے تھے۔ خان بہادر قاضی عبدالقادر خان ان کی اولاد کے متعلق ہمیں علم نہیں کہ کہاں گئی، کیا ہوا؟ یہ سرحد کی جماعتوں کا کام ہے کہ ان کو تلاش کریں۔ پھر حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری ہیں جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے خسر تھے۔ حضرت قاضی عبدالرحمٰن صاحب محلّہ باقر شاہ پشاور، حضرت مولانا غلام حسین خان صاحب کی بیعت ۱۷ /مئی ۱۸۹۰ء کی ہے اور حضرت قاضی عبدالرحمٰن کی بیعت ۲۸ /دسمبر ۱۸۹۰ء کی ہے۔ پھر حضرت سید احمد شاہ صاحبؓ میر بادشاہ صاحب پشاور ہیں۔ انہوں نے ۲۰ /فروری ۱۸۹۲ء کو بیعت کی۔ پھر سید الشہداء حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نے دسمبر ۱۹۰۰ء میں بیعت کی۔ پھر حضرت مولوی حبیب اللہ صاحبؓ بانڈی ڈھونڈاں ایبٹ آباد بیعت اکتوبر ۱۹۰۱ء پھر حضرت مولوی محمد یحییٰ صاحبؓ دیپ گراں ہزارہ بیعت ۱۹۰۶ء، یہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب جو لاہوری جماعت کے موجودہ امیر ہیں ان کے والد تھے۔ پھر قاضی محمد یوسفؓ صاحب

فاروقی، ڈاکٹر قاضی مسعود احمد صاحب جو آج کل شکاگو میں ہیں ان کے والد ہیں اور ان کی نسل بھی اللہ کے فضل سے احمدیت پر مضبوطی سے قائم ہے اور اکثر نیکیوں میں آگے آگے ہے۔ پھر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ ہیں جن کو ''شیر خدا'' کا لقب عطا ہوا۔ انہوں نے مئی ۱۹۰۲ء میں بیعت کی تھی۔ پھر مکرم امیر اللہ خان صاحب صحابیؓ آف اسماعیلہ۔ ان کی اولاد میں ایک کے سوا باقی سب خدا کے فضل سے مخلص احمدی ہیں۔ ہمارے بشیر احمد خان رفیق صاحب جو امام صاحب کہلاتے ہیں ان کی بیگم کے دادا تھے۔

دیگر بزرگان جن کی اولاد مخلص احمدی ہے یا اکثریت اللہ کے فضل سے اچھی مخلص احمدی ہے ان میں قاضی محمد شفیق صاحب ہیں، حضرت مولوی محمد الیاس صاحب ہیں جو ڈاکٹر حامد اللہ خاں صاحب کے دادا اور بشیر احمد خان رفیق صاحب کے نانا تھے، خان بہادر دلاور خان صاحب کا ذکر ہو چکا ہے، صاحبزادہ ہاشم جان صاحب مجددی ان کی ایک ہی بیٹی ہے وہ خدا کے فضل سے زندہ ہیں اور بڑی مخلص احمدی ہیں۔ مرزا غلام حیدر صاحب ہمارے مرزا مقصود احمد صاحب وغیرہ کے والد تھے، یہ مشہور خاندان ہے۔ کرنل صاحبزادہ احمد خانصاحب ساکن مٹھا ضلع مردان، صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب بازید خیل، منشی محمد دانش مند خانصاحب جو بشیر رفیق خان صاحب کے والد تھے (فوت ہو چکے ہیں)، مکرم محمد اکرم خان صاحب درانی، ان کے بیٹے محمد ہاشم خان صاحب کے بیٹے کی شادی چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ فقیر محمد خان صاحب ایگزیکٹو انجینئر خان بہادر محمد علی خان صاحب بنگش آف کوہاٹ، مکرم محمد خواص خانصاحب آف رشکی جو ڈاکٹر سعید خانصاحب کے والد تھے، عبدالقیوم خان صاحب آف شیخ محمدی، قاضی محمد جان صاحب آف ہوتی، آدم خان صاحب جو سابق امیر ضلع مردان تھے، اب بھی خدا کے فضل سے زندہ اور بہت ہی مخلص فدائی دین کا علم رکھنے والے بزرگ ہیں۔ صوفی غلام محمد صاحب آف ڈیرہ اسماعیل خان صاحب، ان کی اولاد یہاں انگلستان میں موجود ہے۔ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب آف ٹوپی جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں جن کی اولاد کا تعلق یا خلافت احمدیہ سے کٹ کر لاہوری جماعت سے ہو گیا یا سرکتے سرکتے وہ جماعت احمدیہ کے دائرہ سے باہر نکل گئے۔

ان بزرگوں کی ایک لمبی فہرست ہے اور اس وقت وقت نہیں کہ میں وہ ساری فہرست پیش کر سکوں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا ہماری تاریخ میں ذکر نہیں ملتا لیکن صوبہ سرحد کے سفر کے دوران

جب میری بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں تو انہوں نے خود یہ تسلیم کیا اور بتایا کہ ان کے والد مخلص احمدی تھے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق، سیاسی وجوہ کی بنا پر مخفی رکھتے تھے اور جہاں تک ان کے عقائد کا تعلق ہے وہ نہ صرف احمدی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ بعض ایسے بزرگ ہیں جو زندہ ہیں اور بڑے بڑے سیاسی مناصب پر پہنچے ہوئے ہیں ان کا نام لینا مناسب نہیں کیونکہ ان کے والد اپنی نیکی کے باوجود شرماتے تھے تو وہ تو پھر اور بھی زیادہ خفت محسوس کریں گے اور گھبرائیں گے کہ ہمیں کیوں احمدیت کی طرف منسوب کر دیا گیا مگر پرائیویٹ مجالس میں ذکر کرنا چاہئے وہی رستہ ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ آباء کے ذکر سے خدا کے ذکر کی طرف ان کو منتقل کر دیں۔

آباء کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھیں اور ذکر اللہ میں جا کر اپنی آخری منزل تک پہنچیں اور وہاں اپنے سفر کا اختتام کریں۔ یہ وہ طریق ہے جس سے ہم بہت سی کھوئی ہوئی اعلیٰ اقدار کو واپس لے سکتے ہیں، دوبارہ اختیار کر سکتے ہیں اور قوموں کی زندگی کا راز اس میں ہے اور قرآن کریم کی اس آیت نے بہت گہرا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا ہے۔ جس کا قوموں کے عروج اور زوال سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ پس یوگنڈا ہو یا صوبہ سرحد کی جماعتیں ہوں یا پنجاب کی یا بنگلہ دیش کی جماعتیں ہوں یا ہندوستان وغیرہ دنیا میں اور جہاں جہاں بھی احمدیہ جماعتیں ہیں جن میں پہلی نسل کا تعلق صحابہ یا تابعین سے تھا وہ خصوصیت سے میرے پیش نظر ہیں ان کے علاوہ بھی جہاں تک میں نے نظر ڈالی ہے مثلاً افریقہ کے بعض ممالک میں ایسے بزرگ بھی ہیں جنہوں نے نہ صحابی دیکھا نہ تابعی سے تربیت حاصل کی مگر اخلاص میں غیر معمولی ترقی کر گئے اور اپنے علاقے میں اخلاص اور قربانی کی عظیم الشان مثالیں قائم کر گئے ہیں جو زندہ جاوید ہوں گی اور ایسے علاقوں میں ان سے بات چلانی چاہئے۔

پس تمام دنیا کی جماعتوں کو احمدی بزرگوں کی یادوں کو تازہ کرنے کی مہم چلانی چاہئے اور تمام تربیتی اجلاسوں میں ان کے ذکر خیر کو ایک لازمی حصہ بنا دینا چاہئے۔ سب سے زیادہ زور اس بات پر ہونا چاہئے کہ آنے والی نسلوں کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے اعلیٰ کردار اور اعلیٰ اخلاق کا علم ہو۔ ان کی قربانیوں کا علم ہو اور ان کا ذکر کریں تو ان کا دل پگھلے اور ان کی محبت اللہ کی محبت میں تبدیل ہونے لگے۔ جن بزرگوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں بلکہ بہت سے ایسے ہیں

کہ ان کا ذکر جب آپ پڑھتے ہیں تو خواہ آپ کا ان سے کوئی خونی رشتہ نہ بھی ہو آپ کا دل ان کی محبت میں اچھلنے لگتا ہے۔ پس جن کا خونی رشتہ ہے ان کے اوپر تو ان کی مثالیں بہت گہرا اثر کریں گی۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ قرآن کریم کے بیان فرمودہ اس اہم تربیتی نکتہ کو اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں اور ساری دنیا میں ذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کا ایک سلسلہ جاری وساری ہو جائے جو لازماً اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا پر ختم ہو یعنی اللہ کے زیادہ شدید، زیادہ پُر جوش، زیادہ محبت والے ذکر پر اس کا انجام ہو۔

اس کے بعد اب اگر چہ وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے لیکن مجلس شوریٰ سے متعلق کچھ باتیں ضرور کرنی چاہتا ہوں۔ میں نے بار بار بیان کیا ہے کہ مجالس شوریٰ خلافت کے بعد جماعت احمدیہ میں سے سب زیادہ اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ خلافت اور شوریٰ یہ دو مضمون ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دینی نظام کی جان ان دو چیزوں میں ہے۔ اس پہلو سے میں نے تمام دنیا میں مجالس شوریٰ کے انعقاد پر زور دیا اور کوشش کر رہا ہوں کہ ان کے اوپر نظر بھی رکھوں اور اگر کہیں غلطیاں ہو رہی ہیں تو اپنے سامنے ان کی اصلاح کر دوں تا کہ آئندہ صدی میں ہماری طرف سے کوئی غلط روایات آگے نہ پہنچ جائیں اور جہاں تک مجلس شوریٰ کی روایات کا تعلق ہے یہ حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے ایک بڑے لمبے دور تک پھیلی پڑی ہیں اور بہت ہی قیمتی روایات ہیں۔ ان سے شناسائی کے بعد مجلس شوریٰ کا جو تصور دل میں جو جاگزیں ہو جاتا ہے اور ذہن پر نقش ہوتا ہے اس تصور کو میں نے ان مجالس شوریٰ میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے اور کر رہا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہا ہوں گا۔ مگر میں نے محسوس کیا ہے کہ مجلس شوریٰ پر جب نظر رکھی جائے یا مجلس شوریٰ میں شامل لوگ یہ سمجھیں کہ اس وقت ہم آزادی سے بیٹھے ہوئے ہیں ہم پر کوئی نظر نہیں تو وہ بدکنے کی کوشش کرتے ہیں، رستے سے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور دنیا کی مجالس شوریٰ کی بعض باتوں سے متأثر ہو کر ایسے انداز اختیار کر لیتے ہیں جن کا تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں پس ان کو بار بار سمجھانے کی ضرورت ہے۔

اس ضمن میں میں نے جہاں تک یورپ کی مجالس سے خطاب کیا ہے ان کا ریکارڈ موجود ہے۔ میری یہ نصیحت ہے کہ مجلس شوریٰ کا جہاں بھی انعقاد ہو اُس سے پہلے منتظمین کوشش کریں کہ وہ کیسٹیں جن میں مجلس شوریٰ سے متعلق میں نے ہدایتیں دی ہوئی ہیں ان کو خوب غور سے سنیں اور اگر

ہو سکے تو ان میں سے بعض مجلس شوریٰ کے اراکین کو سنائیں بھی۔ اس سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ ابھی پچھلے سال ایک مجلس شوریٰ بیلجیئم میں منعقد ہوئی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض پرانے مربی بھی موجود تھے، ہمارے کیپٹن شمیم احمد صاحب بھی بڑے مخلص فدائی اور تجربہ کار احمدی ہیں لیکن مجلس شوریٰ کے وقت میں نے محسوس کیا کہ روایات سے ناواقفیت ہے اور تصور پوری طرح صحیح نہیں ہے کہ مجلس شوریٰ کیا ہوتی ہے، کیسے منعقد کی جاتی ہے؟ پس شروع میں میں نے ان کو بھی تفصیل سے سمجھایا اور جہاں تک مجھے یاد ہے ان کی ریکارڈنگ ہو چکی ہے۔ اگر وہ ریکارڈنگ تمام ممالک کو نہ گئی ہو تو وہ حاصل کریں۔ اس میں آپ کو بہت سے ایسے امور مل جائیں گے جن کو سمجھے بغیر آپ کو مجلس شوریٰ کا صحیح تشخص نہیں ہو سکتا۔ پتا نہیں لگ سکتا کہ شوریٰ ہے کیا چیز؟ کس نے مشورہ لینا ہے؟ کس سے لینا ہے؟ مشورے کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح دیا جاتا ہے؟ کیا مشورے کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے دنیا میں پارلیمنٹس میں فیصلوں کی حیثیت ہوتی ہے یا اس سے مختلف ہے؟ ان تمام امور پر میں نے اس میں روشنی ڈالی اور وضاحت کی ہے۔ پھر احمدیوں کے لئے نام پیش کرنے کے آداب، مجلس شوریٰ کس طرح منعقد کی جاتی ہے؟ یہ سارے امور بیان کئے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے غالباً سویڈن میں بھی اور انگلستان میں بھی اور ناروے میں بھی ان مضامین پر روشنی ڈال چکا ہوں اور وہ ساری کیسٹس مہیا ہو سکتی ہیں۔

اس تھوڑے وقت میں تفصیل سے میں دوبارہ روشنی تو نہیں ڈال سکتا لیکن یہ بتا رہا ہوں کہ ان کیسٹس سے آپ استفادہ کریں ان سے آپ کو مجلس شوریٰ سے متعلق بہت کچھ معلوم ہوگا اور مجلس شوریٰ کی اعلیٰ اقدار کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ باوجود نصیحتوں کے جب میں وہاں موجود نہ ہوں جہاں مجلس شوریٰ منعقد ہو رہی ہے تو کچھ لوگ رستے سے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے سامنے ان کا انداز اور ہوگا اور جب میں ان کو نہیں دیکھ رہا اُن کا انداز اور ہوگا۔ یہ ایک بہت ہی خطرناک رجحان کی نشاندہی کرنے والی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن تو خدا کے سامنے زندگی بسر کرتا ہے اور خدا ہر جگہ ہے اور ہر وقت دیکھ رہا ہے جب تک یہ رجحان پیدا کر کے ہم اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتے اس وقت تک تقویٰ کے لباس سے ہم عاری رہیں گے۔ تقویٰ کے بغیر ہماری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے اور تقویٰ کے مضمون کی جان یہ ہے کہ خدا مجھے دیکھ

رہا ہے۔ **سبحان من یرانی** ۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ نظم ہر بیاہ شادی کے اوپر آپ بار بار سنتے ہیں، جلسوں پر بھی سنائی جاتی ہے اور یہ مصرعہ تو بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ **سبحان من یرانی. سبحان من یرانی** ۔ پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے۔ آپ یہ سوچا کریں کہ خدا دیکھ رہا ہے اگر مجلس شوریٰ میں شامل ہوتے وقت آپ یہ خیال کریں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہمارے اطوار، ہمارے انداز پر اس کی نظر ہے اگر ہم نے کوئی بداخلاقی کی، اگر کسی طرح اپنے بھائی کا تحقیر سے ذکر کیا، کسی کا دل دکھایا مشورہ دیتے وقت اپنی انانیت پیش نظر رکھی، اپنی چالاکی، اپنا زیادہ علم لوگوں کے سامنے دکھانے اور نمائش کرنے کی کوشش کی تو یہ ساری وہ باتیں ہیں جن کو خدا دیکھ تو رہا ہے مگر کراہت کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور اگر اپنے محبوب کی کراہت کی نظر انسان پر پڑے تو اس سے انسان کا وجود دہل جاتا ہے، لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اسی لئے انسان اپنے پیارے اور اپنے محبوب کے سامنے جس کے جذبات کی اس کے دل میں کچھ قدر ہوا کرتی ہے صاف ستھرا ہو کر بن ٹھن کر جاتا ہے اور اپنے عیوب پر پردے ڈال کر جاتا ہے۔ پہلی رات کی سہاگن جب اپنے خاوند کے سامنے جاتی ہے تو اس کو اتنا بنایا سجایا جاتا ہے، اس کے ہر قسم کے عیوب پر پردے ڈالے جاتے ہیں۔ ایسے غازے ملے جاتے ہیں جس سے چہرے کے داغ مٹ جائیں وغیرہ وغیرہ۔ خدا کے سامنے جو مومن کی روح نے جانا ہے تو اس سے زیادہ حسین سہاگن بن کر جانا چاہئے اور خدا کے سامنے جانے کا مضمون تو یہ ہے **سبحان من یرانی** ۔ ہر حال میں اس کے سامنے ہیں لیکن اس کے باوجود ہر حال میں ہر وقت خدا دکھائی دے نہیں سکتا اور یہ اللہ کا احسان ہے۔ اگر ہر وقت دکھائی دے تو مومن کی تو لرزتے لرزتے زندگی ختم ہو جائے۔ یہ خدا کی شان ہے کہ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے، اس کا باطن ہونا اس کے بندوں پر بہت بڑا احسان بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ جب ہٹ جاتا ہے تو اس وقت کچھ تھوڑی سی زیادہ آزادی سی ملتی ہے۔ انسان تھوڑا سا Relax ہو جاتا ہے اور جہاں بھی Relax کہتا ہوں تو میرا مطلب ہے وہ لوگ جن کو نیکی کی زندگی بسر کرنے کی پوری عادت نہیں پڑتی وہ بار بار کچھ آرام چاہتے ہیں اور خدا کا باطن یا غائب ہونا ان کو وہ آرام مہیا کر دیتا ہے لیکن ایسے مواقع جو خاص اہمیت کے مواقع ہیں مثلاً نماز کے لئے مسجد میں جانا یا گھر میں نماز پڑھنا یا اہم دینی مجالس میں شامل ہونا، ان مجالس پر خدا کے حاضر ہونے کا احساس بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ پس جب

میں کہتا ہوں کہ سبحان من یرانی کے مضمون کو پیش نظر رکھیں تو مراد یہ ہے کہ جب سجدہ گاہوں میں جائیں، جب خدا کی عبادت کے لئے کھڑے ہوں، جب خدا کے ذکر کی مجالس میں شامل ہوں تو اس وقت کم سے کم Relax نہ ہوا کریں۔ اس وقت خدا کے تصور کو پوری طرح حاضر کر کے اپنے انداز کو اور اپنے اطوار کو سجائیں، ان کو زینت دیں، اپنے وجود کو ہر قسم کی شیطانی اداؤں سے محفوظ کر دیں۔ یہ مضمون بیان کرنا تھوڑا سا مشکل ہے۔ میرے ذہن میں ہے لیکن بعض دفعہ مناسب الفاظ حاضر نہیں ہوتے۔

مراد یہ ہے کہ جب خدا کی حضوری کا تصور آپ کے اوپر چھا جائے تو اس وقت انسان دو قسم کی حرکتیں خود بخود کرے گا۔ ایک استغفار ہے جس کا مطلب ہے اپنی کمزوریوں کو چھپانا ان پر مٹی ڈالنا اور شرمندگی کا احساس۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں ہمیں حضوری کا یہ مضمون بتایا گیا ہے۔ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کو سامنے حاضر دیکھ لیا حالانکہ پہلے بھی حاضر تھا۔ جب غفلت کا ارتکاب ہو رہا تھا اس وقت بھی خدا حاضر تھا مگر اس وقت غفلت کی آنکھ نے خدا کو ذرا او جھل رکھا ہوا تھا، جب غفلت کی وہ آنکھ کھلی اور خدا کو قریب دیکھا تو پہلا ردّ عمل تھا کہ پتوں سے اپنے وجود کو ڈھانپنے لگے یعنی اپنی کمزوریوں پر استغفار کے پردے ڈالے تو ایک تو یہ ردّ عمل ہے کہ اپنے عیوب کو چھپانے کی کوشش کریں اور اپنی کمزوریوں پر پردے ڈالیں مگر استغفار کے پردے، ریاء کے پردے نہیں اور دوسرا اپنے آپ کو حسین بنائیں۔ دو ہی چیزیں ہیں، نقائص کو چھپائیں اور اپنی خوبیوں کو چمکائیں اور اجالیں۔ پس خدا کے سامنے جب باتیں کریں تو ایسی باتیں کریں کہ خدا کو ان پر پیار آئے۔ ایسی باتیں کریں کہ جب آپ دنیا میں اپنے دوستوں کے سامنے باتیں کرتے ہیں تو دوسروں کو بھی آپ پر پیار آتا ہے۔

پس دعا کا فن بہت ہی بڑا اور عظیم فن ہے۔ اس میں ایک یہ بات بھی داخل ہے کہ باتیں کرتے وقت خدا کا دل پچکارنے کی کوشش کریں۔ ایسی ادا بنائیں کہ جو خدا کو پسند آ جائے۔ چنانچہ بہت سے ایسے لوگ جو دعا کے متعلق مجھے لکھتے رہتے ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ جب بعض دفعہ دل اٹک گیا اور دل پر ایک قسم کا جمود سا طاری ہو گیا۔ دعا کرنے کے لئے کوئی اندرونی قوت غیر معمولی جوش نہیں دکھاتی تھی تو اس وقت پھر ہم نے سوچ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے یہ یہ چالا کیاں کیں اور بعض

چالاکیاں، اتنی پیاری چالاکیاں تھیں کہ جب میں نے ان کو پڑھا تو مجھے یقین آ گیا کہ یہ دعا تو قبول ہونی ہی ہونی تھی اور باقی صفحہ میں پھر اسی کا ذکر ملتا تھا کہ جب ہم نے خدا کو یہ کہا تو اچانک دل کے تالے کھل گئے اور روانی پیدا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ ان دعاؤں کو قبول کر لیا۔

ابھی کل پرسوں کی بات ہے امریکہ سے ہماری ایک بہن کا فون آیا تھا انہوں نے بتایا کہ ایک موقع پر مجھے یہ فکر پیدا ہوئی اور ایسی تشویش تھی کہ اس کے نتیجہ میں بے چین ہو کر میں نے جو دعا کی وہ اتنی جلدی مقبول ہوئی کہ میں حیران رہ گئی۔

پس دوسرا پہلو جو خدا کی حضوری کا ہے وہ یہ ہے۔ پہلا استغفار جب مجلس شوریٰ میں جایا کریں تو اپنی کمزوریوں پر نظر رکھیں اور سب سے بڑی کمزوری انانیت کی کمزوری ہے، آپ کو بار بار نفس دھوکہ دے گا، آپ کو شوخی سکھائے گا، آپ کو اپنے کمزور، کم عقل بھائی پر ہنسنے پر آمادہ کرے گا، تحقیر پر آمادہ کرے گا، غلط دلیل دینے والے کا مذاق اڑانے پر آمادہ کرے گا، کئی قسم کے شیطانی وسوسے ہیں جو ایسی مجالس جن میں اہم امور پر غور ہوتا ہے۔ ان مجالس میں وساوس انسان کے دلوں پر اور دماغ پر قبضہ کر لیا کرتے ہیں اور یہ وساوس ہیں جو دراصل قوموں کو گمراہ کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

پس مجلس شوریٰ میں ان وساوس سے اپنی حفاظت استغفار کے ذریعے کریں۔ ہر قسم کے نفسانی خیال اپنے دل سے نکال پھینکیں اور پھر جب مشورہ دیں تو خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اور ایسی دعا کرتے ہوئے جس سے آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ راضی ہو جائے، اللہ کو آپ پر پیار آ جائے، خدا سے راہنمائی حاصل کریں، اپنی چالاکیوں پر بنا نہ کریں۔ پس ایسی دعاؤں کے ساتھ جن دعاؤں میں ایک قسم کی کشش پیدا ہو جاتی ہے، جن دعاؤں کو خدا پیار سے دیکھے، خدا سے راہنمائی حاصل کریں۔ عرض کریں کہ یہ مشورہ تیری خاطر دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو ہماری عقلوں کو چمکا اور ہماری زبان میں طاقت پیدا فرما۔ ہم اپنی بات کو صحیح طریق پر سمجھانے کے اہل ہوں اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد پھر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہیں ہم نے جو کچھ کرنا تھا کر دیا ہے۔ اب ہماری بات چاہے قبول ہو یا نا مقبول ہو۔ ہم اسی طرح سلسلہ کے فدائی ہیں اور اسی طرح ہم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (البقرہ:۲۸۶) کی روح کے ساتھ سلسلہ کے ہر فیصلے کو قبول کریں گے جس طرح یہ بات کرنے سے پہلے ہم کرتے تھے یا کرتے رہے ہیں۔

یہ تین باتیں ہیں جو میرے نزدیک مجلس شوریٰ میں برکت پیدا کرنے کے لئے اور روحانی طور پر مجالس شوریٰ کو زندہ کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر مشورہ دینے والا استغفار کے ساتھ حاضر ہو یعنی وضو کرلے، ہر مشورہ دینے والا اپنی نیکیوں کو چمکائے اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہو اور زینت لے کر خدا کے حضور حاضر ہو اور ہر مشورہ دینے والا جب کچھ مشورے دے بیٹھے تو پھر یہ عرض کرے کہ ہم نے مشورہ دے دیا ماننے والے مانیں یا نہ مانیں ہم راضی ہیں۔ ہم نے جو کچھ حاضر کرنا تھا کر دیا۔ اس روح کے ساتھ اگر آپ مجالس شوریٰ میں شامل ہوا کریں اور اُن کی اعلیٰ اقدار کو زندہ رکھیں گے۔ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ مجالس شوریٰ جماعت کی اقدار کی حفاظت کریں گی، جماعت کی ہمیشہ کی زندگی کی ضامن بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)